Vol.5 No.1 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

جدید سرائیکی شاعری میں نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی اثرات

☆ڈاکٹر محمد ممتاز خان

☆☆ڈاکٹر غلام اصغر

☆☆☆ڈاکٹر طاہر عباس

Abstract:

The universe is dynamic from the day of its creation. Social, environmental and cultural changes in alterations, create commotion in human comprehension, intelligence and consciousness. These circumstances gave birth to class exploitation. The British came to sub continent for financial interests and remained heare for hundred years. The first interaction between the Siraiki people and the British was reported in 1818. When Sir Mountstuart Elphinstone along with his delegation started his journey from Kolkata to have a meeting with the Shah of Afghanistan. He selected the route of Bahawalpur and Multan. The British introduced colonial and post colonial system over here. The British control over India was basically of exploitive nature. They introduced and implemented every policy to enslave us mentally and to keep us economically backward and paralyzed. This is called "colonization". The post colonization advocates freedom on ideological and cultural level. This research paper is designed to study the modern Siraiki Poetry in this perspective.

Keywords: Colonization, Siraiki poetry, colonial era, post colonial situation

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکوں(1)

اولادِ آدم کے غاروں کے مسکن سے لے کر چاند نگر کی ٹاؤن پلاننگ تک جملہ تہذیبی، سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور جدلیاتی بوالعجبیوں سمیت جو جو تبدیلیاں معرض وجود میں آئیں وہ انسانی فہم ادراک کی مہارت کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ سست رفتاری سے برق رفتاری تک کی تکنیک اور فکری سماجی ابتری سے بہتری تک کے احوال، انسانی حیات اور معاشرتی ارتقاء کے جو جو مراحل بھی عبور ہوئے، وہ ہر نسل نے اپنی باقیات تک بہم پہنچائے۔ ضرورتوں کا ادراک ایجادات و اختراعات کا سبب بنا یہی وجہ ہے کہ ایک تبدیلی دوسری تبدیلی کا موجب بننے لگی۔ سماجی ماحولیاتی اور دوسری ہمہ اقسام تبدیلیوں نے انسان کے فہم و ادراک اور شعور میں بھی ہلچل پیدا کی مگر انہیں حالات نے معاشرے میں طبقاتی تفریق کو بھی جنم دیا۔ جہاں کو مختصراً جمود اور افزوں کے تانوں بانوں میں الجھاد کر رکھ دیا۔ پہلے قبیل کے لوگوں میں طاقت وریا حکمران گروہ آتا ہے جو جغرافیاتی اور عوامی تخیّلاتی ٹھہراؤ کو ہی آپنی کامیابی گردانتا ہے۔ معاشرے میں تغیّر و تبدل خواہ وہ جغرافیائی ہو یا سیاسی، سماجی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا مذہبی، کو زہر ہلاہل اور اپنے نظام اور فہمید کی موت سمجھتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب ارتقائی طاقتیں جو فطرت کی عشاق اور فہم و ادراک سے توانائی حاصل کرنے والی ہوتی ہیں، نظام کہنہ اور استحصالیت کے خلاف علم برداری کو اپنا جنون بنالیتی ہیں۔ معاشرے کی تمام تر ترقی ان ہی قوتوں کی مرہون منت ہے وگرنہ انسان شاید آج بھی پتے ڈھانپ کر غاروں کی پناہ گاؤں میں اپنے شب و روز بسر کر رہا ہوتا۔ مسعود خالد اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

(ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور)

(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور)

(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور)

”جب یورپی ممالک میں پیداوار کا واحد ذریعہ زراعت تھی تو زرعی معیشت جاگیر دار طبقے کے ذریعے بادشاہت کا سیاسی نظام قائم کرنے کا باعث بنی۔ پھر سماج کے درمیانے طبقے میں صدیوں تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ ایجادات ہوئیں، مشینیں آ گئیں۔ مشین نے صنعت کو جنم دیا اور صنعت کی معیشت نے دو بڑے طاقتور اور آپس میں متحارب طبقے پیدا کیے۔ ایک صنعت کار اور دوسرے مزدور۔ صنعت کاروں کو اپنے کارخانوں کی مصنوعات کھلی منڈی میں فروخت کرنے کے لیے ایک نئے سیاسی نظام کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے جاگیر داروں سے لمبی لڑائیاں لڑ کر بادشاہتوں کا خاتمہ کر کے سرمایہ دارانہ جمہوریت قائم کر دی۔ اس لڑائی میں جاگیر دار ایک جمودی قوت تھے جبکہ صنعت کار ایک ارتقائی قوت۔“ (۲)

درج بالا دونوں قوتیں ہی دراصل معاشرتی حیات کے وجود، ارتقاء اور ترقی کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ جمودی قوتوں کا قبلہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے مگر ارتقاء ہر پل ایک قدم اور آگے بڑھنے کا نام ہے۔ فریق اول اپنی قوت استعداد اور استدلال سے فریق دوم کو ہمیشہ حال موجود میں سرمست او مطمئن رکھنے کی تگ و دو میں مگن رہتا ہے اور عموماً اس مقصد میں کامیاب بھی رہتا ہے کہ مل جائے تو شکر کرو نہ ملے تو صبر کرو۔ اس سے مقصد حیات جستجو کی بجائے سست کاہل اور نامرادیت کا مرید بن کر رہ جاتا ہے۔ محنت کش خصوصاً ملازم اپنے مخصوص سماجی دائرے کو ہی کائنات سمجھنے لگتا ہے۔ اس میں زندگی کا کوئی بھی نیا پن نئی فکر افزائش پذیر نہیں ہوتی۔ اگر معاشرتی ترقی ملحوظ ہے تو پھر ارتقاء کی منطق کو سمجھنا اور اختیار کرنا اشد ضروری ہے۔ سوچ کی تبدیلی اور جستجو کی لگن سے سماج کا معیار معتبر بنایا جاسکتا ہے یعنی سماجی ارتقاء ایک ارادی عمل کا ردعمل ہے۔ برسراقتدار طبقہ مخصوص ثقافت، تعلیم، فن اور عقیدے کی بنیاد پر معاشرے کو استوار کرتا ہے۔ فرمانِ ربّی ہے کہ:

لیس للانسان الا ماسعیٰ o(۳)

انسان جیسی کاوش کرتا ہے قدرت اس کی ویسی ہی معاونت کرتی ہے۔ معاشرے میں مثبت تبدیلی کی سوچ اور ارتقاء کے لیے عزمِ مصمم اور جہدِ مسلسل کو مقصود و قبلہ بنانا ہی دراصل فلاحی معاشرے کے قیام کی روح ہے۔

جب بھی مقدم جہدِ مسلسل عزمِ مصمم ہوتا ہے
ایڑی کی بھی رگڑ سے پیدا آبِ زمزم ہوتا ہے(۴)

عمومی عوامی تاثر یہ ہے کہ نوآبادیاتی سوچ کا ورود ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کے درمیان ہونے والی جنگ کے خاتمہ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کرۂ ارض کے کم و بیش سینکڑوں ممالک میں سامراجی قوتوں سے آزادی کا جنون سرچڑھ کر بولنے لگا اور بغاوت مروج ہونے لگی تھی۔ ان تحاریک کے اثرات عالمی ادب پر بھی پڑے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر انقلاب کے پس پردہ کوئی نہ کوئی مفکر یا شاعر کی فہمید کھڑی نظر آتی ہے جو لوگوں میں شعور کی ایک طاقت و روکی مبتدی ہوتی ہے۔ اقبال اور ٹیگور اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ان حالات میں جب نوآبادیت مردود و مسترد ہونا شروع ہوئی تو نتیجتاً نوآبادی نظریات کے منکرین کا رویہ بھی نوآبادیت کے چنگل میں گھرا دکھائی دینے لگا۔ بادشاہت اور ارتقائیت پرستوں کی کشمکش کے دوران علاقائی اور پس ماندہ علاقوں کے علمی و ادبی شعور نے بھی انگڑائی لینا شروع کی جس کے نتیجے میں دونوں متحارب گروہوں کے مابعد نوآبادیت کے اصل ثمرات سامنے آنا شروع ہو گئے۔ اس گوں مگوں کیفیت کے اثرات سرائیکی زبان و ادب پر بھی چھائے دکھائی دیتے ہیں۔ ہزار ہا سال سے غلامانہ ذہنیت کے پروردہ لوگوں میں اپنے ہونے کا احساس بیدار ہونے لگا۔ شعرانے دیپ سے دیپ جلا کر وسیب میں ایک فکری بیداری کی لہر دوڑا دی۔ بقول ایک سرائیکی شاعر:

ہوون دے احساس کیتے

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جیونڑ دی کہیں آس کیتے
کوپلی جتلی کاوڑ لوکا(۵)

عموماً مفلوک الحالی ہی مفلوک الخیالی کا سبب بنتی ہے مگر مایوسی کی حبس میں جب کبھی اُمید کا جھونکا رخِ احساس سے ٹکراتا ہے تو جینے کی طلب انگڑائی لیتی دکھائی دیتی ہے۔ اک طویل خاموشی اَنہونے شور کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جب خوابیدہ قوموں میں احساس بیداری پیدا ہونے لگتا ہے تو اس عہد کا ادیب اُس عہد کا بیانیہ رقم کرنے لگتا ہے۔ وہ احساس محرومی کے شکار مزاج لوگوں کی نڈھال غیرت کی چنگاریوں کو جبر کی راکھ سے کرید کر ہوا دینے کی سعی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ سچ کی دشمن قوت کے سامنے دل کہی کے لیے کبھی وہ چیونٹی کے کردار کو اُجاگر کرتا نظر آتا ہے تو کبھی ابابیل اور چڑیا کی ذات کا تجزیہ کرتا دکھائی دیتا ہے اور کبھی مچھر کا وجود اُسے فرعون وقت کے مقابل آنے کی ہمت افزائی کرتا دکھلائی دیتا ہے۔ معروف سرائیکی شاعر احمد خان طارق بھی اپنی بے حیثیتی کو نمایاں کرتے ہوئے دلی فکر مندی اور قومی فکری بیداری کی شعوری کوشش کچھ یوں بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

چڑیاں اُٹھو کئی دھاں کرو
چپ نہ کرو چپ ناں کرو
تن بے کفن ڈیکھو کتھائیں
ونج کے پراں دی چھاں کرو
ہتھ وچ جے کئی ہتھیار نئیں
چیں چیں کرو چاں چاں کرو(۶)

بسا اوقات شاعر کو اپنی بے وقعتی کا احساس ہوتا ہے مگر اس کی لگن اور آگہی اسے کسی پل چپ نہیں بیٹھنے دیتی اور وہ موسیٰ کی مفلوک و مقہور قوم کی طرح اپنی قوم کو حرکتِ عمل پر متواتر اُکساتا رہتا ہے۔ ذہنی اور فکری انقلاب کے لیے صدیوں کی مسافت بلیغ رہنماؤں اور مفکرین کی ضرورت ہے جو قوم میں خود شناسی اور ترقی کی روح پھونک دیتے ہیں۔ احمد خان طارقؔ نے اس فرض کو کچھ اس طرح نبھانے کی تگ و دو کی ہے۔

ڈکھ سکھ نال نبیڑی رکھنے
درد دا کھوہ ہے گیڑی رکھنے
طارق محنت ول ول محنت
قوم دا گاڈا ریڑھی رکھنے(۷)

حالات کی راکھ کریدنے سے حقائق کی کسی چنگاری کی حدت، احساسِ ذمہ داری میں بیداری کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ کار پیمبری اہل درک کا شیوہ اظہار رہی ہے۔ جب کوئی قوم مئے غفلت سے سرشار ہوتی ہے تو اس پر ارتقاء کی کوئی بھی راہ اپنا دروازہ وا نہیں کرتی۔ تاہم من حیث القوم وہ کسی مسیحا و خضر کی منتظر رہتی ہے۔ پیش منظر میں جیتی جاگتی مگر بے مقصد جیسے کوئی سویا ہوا محل محسوس ہوتی ہے۔ جہاں سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہ ہونے کا گماں گزرتا ہے۔ ڈاکٹر نصر اللہ ناصرؔ اپنے عصری بیانیہ کی عکاسی اپنی نظم ''وجود دا وسواس'' میں کچھ اس طرح رقم کرتے ہیں:

ساڈے سارے بالن مک گن
ڈکئی کنوں ہک ڈوجھے کوں
اساں کجھ چتوانی سگدے
آپنے آپنے گوڈیاں دے وچ
سر ڑیاں ڈے تے کبندے بیٹھوں
ساڈے اَندھے غار اچ ڈیوے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سب وسما گیین
کڈاں کالی رات ویہا سے
ساڈے برف وجوداں اُتے سوڑیں پیسے (۸)

جب قوموں میں بیداری کا عمل شروع ہونے لگتا ہے تو کچھ لوگ دعوت عمل کے نقارے بجانے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عمل تواتر کے ساتھ جاری رہے تو کوئی امر مانع نہیں رہتا کہ فکر کی جمود جھیل میں جدوجہد کا کنکر پھینکا جائے اور ارتعاش پیدا نہ ہو۔ سرائیکی علاقے روہی، تھل اور دامان کے ریتلے ٹیلے اپنی ماضی کی لوک کہانیوں کو سینے میں دبا کر کرینوں کے کیم بلیڈ کی زد میں آ کر پہلے توچٹیل میدان میں تبدیل ہوئے۔ پھر ان میدانوں میں دھوئیں اگلتے کارخانے اُبھر آئے، جنھوں نے یہاں کی روایات، ثقافت اور تاریخ کو تیاپانچہ کر کے رکھ دیا۔یہی احساس محرومی دھرتی واسوں کی بین بن کر مزاجوں میں تلخی اور اُداسی کی صورت میں اشعار بن بن وارد ہوتا ہے۔ شمیم عارف قریشی نے اپنی شاعری میں اپنی دھرتی اور دھرتی واسوں کی کسک کو کھل کر بیان کیا ہے۔ اُن کا بیانیہ ایک مکمل تاریخ کا ہی نہیں بلکہ ایک جغرافیہ کا بھی نوحہ ہے۔ جس کے ذریعے انھوں نے اپنی بلیغ نظری سے جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری اُن کی وسیبی فہمید کی سرقلمی کے عین بعد کا منظر نامہ ہے جس میں حالت کی ہولناکی صدیوں بعد بھی اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ موجود و جامد ہے۔

وین کریندی شام پئی لہندی ہولے ہولے درتے
دلڑی کیوں نہ ماندی تھیسی ساریاں بیتاں ہر تے
بھوئیں ترامِا، گلیاں رتیاں، در در گاہیں سُولیاں
یورپ توں پئے ول ول آندے گھوڑے وال شہر تے
اکھیں مکھ کوں خواب بنیسن چر تئیں جیندیاں رہسن
خواب کتھائیں مکدے ناہیں جیندے رہسن مرتے (۹)

عزیز شاہد کی شاعری اس دھرتی کا ایسا پورٹریٹ ہے جس میں دھرتی واس اپنی تمام تر محرومیوں کے ساتھ نقش نظر آتے ہیں۔ ان نقوش کے عکس یہاں کے نفوس کے روحانی المیوں اور جذبوں کے بھی جیتے جاگتے منظر نامے ہیں۔ ان کی اکثر شاعری اپنے حال کی بے مثال سرگزشت ہے۔ غزل کے چند اشعار جو عصر موجود کے نوحے بھی ہیں ملاحظہ کریں:

ہک حضوری ہے حاضری ساڈی
ناتاں کیا شئے ہے شاعری ساڈی
گونگی ہاتی نسل دا نوحہ ہے
چپ حیاتی پیمبری ساڈی
"روک" گھندی ہے ہر نویں رُت کوں
کینجھی دیوار اے بے زری ساڈی
بے زبانی دا غم تاں سانجھا ہا
روگ بن گئی اے بے گھری ساڈی! (۱۰)

رفعت عباس کی شاعری میں سرائیکی خطے پر برطانوی راج کے وافر اشارے ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک نظم میں بیسوی صدی کی مقامی سیاسی سماجی صورت حال کچھ اس انداز میں نقش کی ہے۔

شہر اَساڈے ویہویں صدی
انجن دے کھر کار نال وڑی ہے

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

گاڈی وچوں لہندے ہوئے چھاونی دے گھوڑے
توپ جیندے گولے ہِہوں پہلے پُج گئے ہن(۱۱)

مقالہ نگار اختر بخاری نے شاعر کی مذکورہ نظم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"شاعر نے اس طویل نظم میں انگریزی چھاونی، ریلوے اسٹیشنز، بندر گاہوں، بندوقوں، گونگی اور بولنے والی فلموں، گراموفون، سینما اور بہت ساری ایسی اشیاء کا ذکر کیا ہے جو برطانوی کالونیل ازم، برطانوی استعماریت کے دوران ظاہر ہو کر مقامی پرتوں میں کسی نہ کسی طرح شامل ہو کر مقامی مزاج اور صدیوں پرانی ثقافت میں تبدیلی کا باعث بنیں (۱۲)"

نو آبادیت کے علم برداروں کے دلفریب دلاسے اور پُر شکوہ پھندے خوش بختی اور خوش حالی کے متلاشی بھولے بھالے لوگوں کو خوب بہلاتے دکھائی دیتے ہیں جن سے بچاؤ، تدبر، تحمل اور کفائت شعاری سے ہی ممکن ہے۔ غلام بن غلام بن غلام لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کی حس لطافت پژمردہ ہو جاتی ہے۔ آزادی کی امنگ اُن کے تصورات میں پھوٹتی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ بس کولہو کے بیل کی طرح جُت کر دائرے میں گھومتے ہوئے اپنی عمر پوری کرنے کو ہی معراج وبقا سمجھتے ہیں۔ مگر ایسے حالات میں بھی اپنی بے حسی اور بے وقعتی سے آشنا ہو جانا بھی کسی معرکے سے کم نہیں۔ ڈاکٹر گل عباس اعوان نو آبادیت اور مابعد نو آبادیت کی جذبات نگاری کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اَکھیں نوٹ کے سُم پو بال آ
جاگن سخت گناہ ھے
آدھن پارتوں باغوں آندن
جاگن آلے بندے کھاندن
جاگن ریت بُھلا
اِپنا آپ بچا(۱۳)

ڈاکٹر گل عباس کی کتاب "سوجھل خواب" بذات خود ایک استعارہ ہے جس میں وہ ہمیں ایک نئے شہر بسانے کی ترغیب دے کر آمادہ عمل پر زور دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظم "نویں شہر وسیسوں" بھی ایک ایسا لوک بیانیہ ہے جو طوفان نوح کے تناظر میں کسی کشتی کے وجود کا متلاشی ہے۔

چار چفیرے چھل ای چھل ھے
مینہ نی رُکدا
بندہ آپنے عرق اچ غرق اے
ہک ڈینہ بیڑی ٹھلدے ٹھلدے
کہیں پہاڑتے رکسی
حق دے نعرے لائیسوں
سکھ دے پہر ہنڈ ھیسوں
سچ دے شہر وسیسوں(۱۴)

سرائیکی خطے میں جہانگیر مخلص نے حسینی روایت کو پھر سے زندہ کرنے اور الم بغاوت لہرانے کا عزم کیا ہوا ہے۔ اس کفن بکف سرکش شاعر نے جراتِ اظہار کی جو مثال قائم کی ہے وہ قرنوں بعد زمانے کو دیکھنی نصیب ہوتی ہے۔ شاعر نے اپنے خطے کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور محرومیوں کے

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ادراک کا حق ادا کیا ہے۔ ایسے وقت میں جب بولنا تو در کنار سوچنا بھی ظلم عظیم تھا، مخلصؔ نے ظالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کی طرح ڈالی ہے۔ رعونت کے بتوں کو توڑنے والا یہ باغی شاعر ابھی تک اپنی بغاوت پر ڈٹا نظر آتا ہے۔

اَساں مَن دریاتے وسدے ہیں
ساڈی سوچ سمندر وانگ
ہُن گھر دے باہروں بھاہ بالو
تتاں کھاندن مشکی نانگ
ساڈے ہتھ وچ کینی ڈانگ (۱۵)

تاریخ ایک ایسی بھول بھلی ہے جس میں کئی اقوام کی کہانیاں اقدار سمیت گم ہیں۔ انقلاب دنوں میں نہیں صدیوں بعد آتے ہیں۔ تاہم لمحوں کی خطاصدیوں کی سزا کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ شاید عالم شاہد بھی ایک ایسا شہسوارِ ادب ہے جو بہاروں کی تلاش میں رجائیت اور قنوطیت کے مابین زندگی کے بوجھ کو کھینچتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بقول:

شہر دی دوزخ دے وچ کیوں ہل جلوں
جان آ جنگل ڈو واپس ول جلوں
جے امر تھیون دی سک اُشناک ہے
آ کئی سولی چڑھوں مقتل جلوں
رات ٹک پووں کہیں گوتم دے کول
سو جھلا گولن کیتے اج کل جلوں (۱۶)

ہر عروج کو زوال اور ہر زوال کے بعد عروج قانونِ قدرت ہے۔ نو آبادیت نے ہجرت کی تو آنے والی پوری صدی اس حصار سے باہر نہ نکل پائی۔ عوامی مزاج پر نو آبادیت کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ عوام چڑیا گھر کے اس ہاتھی کی طرح جل مرے جو زنجیر سے آزاد ہونے کے باوجود بھی یہی سمجھتا رہا کہ شاید میں اب بھی گرفتار ہوں۔ ذلت کی اس انتہا نے شعوری بیداری کو طلوع ہونے کا موقع فراہم کیا جس کی وجہ سے گراں خواب جذبے سرائیکی شاعر حفیظ طاہر کی شاعری کی صورت میں کچھ ایسے پھوٹنے لگے:

جیویں تھیسی ہُن خود کو منویساں میں
بجھ دے اگوں خود کوں بال رکھیساں میں
گُوٹھ تے چپ دے جیڑھے جندرے لگے ہوئین
نہ لتھے تاں کپ تے تھوڑالیساں میں
میڈے وڈ کے گنگے باتے بوڑے ہن
آپنے بالاں کوں بولن سکھلیساں میں (۱۷)

تقسیم ہند کے نتیجے میں ہم نے ملک کی آزادی تو حاصل کر لی لیکن اصل آزادی تو جسمانی آزادی کا نام نہیں بلکہ ذہنی اور فکری آزادی کا نام ہے جو ہمیں ستر سال گزرنے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوئی۔ سرائیکی خطے میں تو ڈومیسٹک امپیریلزم Imperialism کے مسائل اور بھی زیادہ ہیں۔ مابعد نو آبادیاتی نظریہ نہ صرف نو آبادیاتی نظام سے کسی ملک کی آزادی کا قائل ہے بلکہ اس میں تو فکری اور ثقافتی آزادی کو بہت اہمت حاصل ہے۔ جدید سرائیکی شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عصر حاضر کے شعراء نے اس کا ادراک کھل کر کیا ہے جس کے مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں جس سے سماج دشمن طاقتوں کے حوصلے پست ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال،کلیات اقبال،لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۹۶ء،ص:۳۲۰

۲۔ خالد،محمد مسعود،نو آبادیاتی نظام کا تعارف(پہلی کتاب)،لاہور،سانجھ پبلی کیشنز،س ن،ص:۵

۳۔ القرآن،سورۃ النجم،پارہ نمبر ۲۷، آیت نمبر:۴۰

۴۔ گھوٹیہ،حفیظ طاہر، آٹوگراف (غیر مطبوعہ کلام)،بہاولپور،ص:۱۵

۵۔ خالد اقبال،کویلی دی کاوڑ،ملتان، جھوک پبلشرز،۲۰۰۴ء،ص:۱۵

۶۔ طارق،احمد خان،عمران دا پورھیا،ملتان، جھوک پبلشرز،۲۰۰۷ء،ص:۱۵۰

۷۔ طارق،احمد خان،مذکور،ص:۱۹۴

۸۔ ناصر،نصراللہ خاں، اجرک،بہاولپور،سرائیکی ادبی مجلس،۱۹۹۰ء،ص:۴۱

۹۔ قریشی، شمیم عارف،نیل کتھا،ملتان، جھوک پبلشرز،۲۰۰۸ء،ص:۸۲

۱۰۔ عزیز شاہد،دھمی (کلیات)،ڈیرہ غازی خان،ایمکو ویلفیئر فاؤنڈیشن(کوٹلہ گرمانی)،۲۰۱۲ء،ص:۹۷

۱۱۔ رفعت عباس،پروبھرے ہک شہر اچوں،ملتان،بیکن بکس،۲۰۰۲ء،ص:۹۵

۱۲۔ بخاری، محمد اختر،سرائیکی شاعری دے ودھارے وچ رفعت عباس دا کردار، مقالہ برائے ایم فل(سرائیکی)، شعبہ سرائیکی،اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، سیشن ۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۶ء،ص:۱۱۳

۱۳۔ اعوان،ڈاکٹر گل عباس،سوجھل خواب،ملتان، جھوک پبلشرز،۲۰۰۹ء،ص:۳۰

۱۴۔ اعوان،ڈاکٹر گل عباس،سوجھل خواب(ڈوجھا چھاپہ)،ملتان، جھوک پبلشرز،۲۰۱۴ء،ص:۷۴

۱۵۔ مخلص، جہانگیر،پرہ باکھ،احمد پور شرقیہ، سمل پبلی کیشنز،۱۹۹۲ء،ص:۸۳

۱۶۔ شاہد،شاہد عالم،گوپے دے وچ قصہ،ملتان، خمیس یاترا،۲۰۱۴ء،ص ص:۹۴،۹۵

۱۷۔ گھوٹیہ،حفیظ طاہر،باک،بہاولپور، غیر مطبوعہ کلام،ص:۱۷